A Study of the Rubaiyat of Hasan Askari Kazmi

رباعیاتِ حسن عسکری کاظمی: ایک مطالعہ

Mujahid Ali*[1]
Ph.D. Scholar, Department of Urdu, Punjab University, Lahore.

مجاہد علی* [1]
پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اردو، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

Correspondance: mujahidtammar@gmail.com

eISSN:**3005-3757**
pISSN: **3005-3765**

Received: 12-01-2025
Accepted:15-03-2025
Online:28-03-2025

Copyright:© 2023 by the authors. This is an access-openarticle distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

ABSTRACT: Ruba'i is an important and ancient genre of Urdu literature, consisting of four lines, where the first, second, and fourth lines rhyme, while the third line may be free of rhyme. There are different opinions regarding its origin. Some scholars trace its roots to Arabic poetry, while others consider it purely a product of Persian literature. Over time, Ruba'i emerged as a distinct and refined poetic form. It was introduced into Urdu literature from Persian and is generally composed in the Bahr-e-Hazaj (metrical pattern).Hasan Askari Kazmi is a prominent Rubaiyat poet of the modern era.

KEYWORDS: Bahr-e-Hazj, Ruba'i, Classical poetry, Urdu literature, Analysis

رباعی معنی و مفہوم

رباعی کے لغوی معنی ''ربع''،یعنی چار کے ہیں۔رباعی سے مراد ایسی نظم ہے جس میں چار مصرعوں کے ذریعے پورا ایک مضمون قلم بند کیا جاتا ہے۔رباعی کے پہلے دو اور چوتھا مصرعہ ہم قافیہ و ہم ردیف ہوتے ہیں۔ بعض اوقات چاروں

مصرعے بھی ہم قافیہ و ہم ردیف ہو سکتے ہیں کیوں کہ رباعی کی اصل پہچان اس کی مخصوص بحر بحر ہزج مثمن ہے۔ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی رباعی کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں:

> ''رباعی عربی لفظ ''رَبع'' سے بنا ہے۔رباعی میں ''ی'' نسبتی ہے۔گویا رباعی کے لغوی معنی ہیں ''چار والے''اصطلاح میں اس صنفِ نظم کو کہتے ہیں جس کے چار مصرعوں میں مکمل مضمون ادا کیا جاتا ہے۔رباعی کو ترانہ یا دوبیتی بھی کہتے ہیں۔''(1)

رباعی آغاز وارتقاء:

رباعی کے آغاز وارتقاء کے حوالے سے ماہرین ادب یا مورخینِ ادب میں اختلاف پایا جاتا ہے۔بعض کے نزدیک رباعی کا آغاز عربی ادب سے ہوا اور بعض کے نزدیک رباعی خالص فارسی صنفِ سخن ہے۔مولانا سید سلیمان ندوی نے رباعی کو عربی نژاد بتانے کی کوشش کی ہیں۔انہوں نے کتاب خیام میں عوفی کی تصنیف ''لباب الالباب'' جلد دوم سے حنظلہ باوغیبی کی دو بیتیں لکھ کر اسے قدیم ترین رباعی کہہ کر رباعی کی ایجاد عربی ادب کو قرار دیتے ہیں۔

سید سلیمان ندوی نے اس کی پیدائش طاہریہ خاندان (205ھ۔259ھ) بتاتے ہیں تاہم ان چار مصرعوں پر غور کیا جائے تو معلوہوتا ہے کہ یہ رباعی کے چوبیس اوزان میں سے نہیں ہے۔اس لیے پہلے رباعی قرار نہیں دے سکتے۔مولانا شبلی نعمانی نے ''شعرالعجم''اور حافظ محمود شیرانی نے اپنی کتاب '' تنقید شعرالعجم''میں اس کی تردید کی ہے۔حافظ محمود شیرانی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''سید صاحب نے دو بیتیں تو عوفی کی تقلید میں لکھ دیا۔لیکن الفاظ جو ''رباعی کے وزن پر ہیں''اپنی طرف سے اضافہ کر دیا حالانکہ یہ شعر رباعی کے وزن پر ہر گز نہیں۔رباعی کے اوزان بحر ہزج سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ ابیات بحر مضارع میں واقع ہوئے ہیں۔''(2)

لیکن اس بات پر بھی فارسی ادب میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ رباعی کی اولیت کا سہرا کس کے سر باندھا جائے۔رباعی کی ایجاد کے حوالے سے فارسی ادب میں دو قدیم روایات موجود ہیں ایک روایت کے مطابق سلطان یعقوب بیث صفار متوفی 265ھ کے بیٹے کا قصہ ہے۔جس میں جب وہ عید کے دن غزنین جوز بازی کر رہا تھا۔جوز میں سات گوچی چلے گئے اور ایک جوز اچھل کر باہر آگیا اور جب کچھ ہی دیر میں وہ لڑک کر اندر چلا گیا تو بڑے خوشی سے یہ الفاظ بلند کیے ''غلطاں غلطاں ہمی رود تالب گو''سلطان یعقوب کو یہ مصرعہ پسند آیا۔اس نے اپنے دربار میں شعرا سے اس پر مصرعے لگانے کو کہا چنانچہ دو شعرا ابودلف ارزینت الکعب نے مل کر اس پر تین مصرع لگائے اس طرح پہلی رباعی وجود میں آئی۔اس روایت کا ذکر ''تذکرہ الشعرا''893ھ میں دولت شاہ نے کیا ہے۔

جب کہ دوسری روایت میں ابودلف اور زینت الکعب کی جگہ فارسی کے مشہور شاعر رودکی کا نام درج ہے۔ قیس ابن رازی نے اپنی تصنیف ''المعجم'' 630ھ میں کسی لڑکے کے اخروٹ کھیلنے کا قصہ بیان کیا ہے اور پھر اسے رودکی کے نام سے جوڑا ہے۔ سید سلیمان ندوی، نصرالدین ہاشمی، عزیز لکھنوی اور سید محمد عباس نے ''تذکرۃ الشعرا'' دولت شاہ سے متاثر ہو کر ابودلف اور زینت الکعب کو پہلے رباعی گو شاعر قرار دیا ہے حالانکہ ان دونوں شاعروں کا صفار کے دور کے شعرا میں نام نہیں ملتا۔ یعنی یہ روایت ضعیف ہے، نہ ہی رودکی متوفی 329ھ کا وجود اس دور میں ملتا ہے۔ ان تمام اختلافات کا خلاصہ حافظ محمود شیرانی نے ''تذکرہ دولت شاہ'' اور ''المعجم'' کو سامنے رکھتے ہوئے یوں کرتے ہیں:

> ''رباعی یا ترانہ ایرانیوں کی ایجاد ہے۔ بقول دولت شاہ تیرہویں صدی ہجری کے وسط میں بعہد یعقوب سفار اور بقول شمس الدین محمد بن قیس اس صدی کے اواخر میں ایجاد ہوئی۔''(3)

تاہم حافظ محمود شیرانی ان دونوں روایتوں کو رد کرتے ہیں کیوں کہ ان کے نزدیک رباعی کی ایجاد کسی ایک شخص کا کارنامہ نہیں ہے بلکہ یہ صنف ادب میں زماں و مکاں کی تبدیلی کے ساتھ وجود پذیر ہوئی ہے۔ اس حوالے سے وہ مزید لکھتے ہیں:

> ''۔۔۔ لیکن میں ان روایتوں کا معتقد نہیں حقیقت یہ ہے کہ نظم کی وہ صنف جس کو ہم رباعی کہتے ہیں شخصی ایجاد نہیں ہے بلکہ قدرتی نتیجہ ہے چہار بیتی کا عہد قدیم میں ایران میں ایک خاص قسم کی نظم جس کو چہار بیتی کہا جاتا تھا رائج تھی۔ اس کے اوران عربی اوزان سے غالباً متخرج نہیں بلکہ مقامی ہیں۔''(4)

رباعی کی ایجاد کے حوالے سے نامور محقق سید تقی عابدی ایران کے ممتاز ادیب اور ماہر عروض پروفیسر نائل خانلسری کی روایت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''پروفیسر نائل خانلسری نے لکھا ہے کہ ''رباعی کسی شاعری کی ذاتی ایجاد نہیں ہے بلکہ اس قسم کے اشعار مدت سے ایران میں رائج تھے۔ دراصل رباعی قدیم ایران کے ترانہ کی ارتقائی صورت ہے۔'' پروفیسر نائل خانلسری نے رباعی کے وزن کے قدیم ہونے اور ایرانی ہونے کے مزید ثبوت دیتے ہوئے بتایا ہے کہ اگر کسی بحر میں اس قدر اختیارات نہیں جس قدر ترانہ کی بحر میں ہے۔ اس کی کئی شکلیں ایران میں رائج تھیں اور اس کا وزن کسی ایک شخص نے ایجاد نہیں کیا۔ رباعی ایک ارتقائی صنفِ سخن ہے۔''(5)

ماہرین ادب کے نزدیک رباعی کا ابتدائی نام دوبیتوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ''دوبیتی'' تھا۔ عربی ادب سے وابستہ ادباء اسے دوبیت بھی کہتے تھے۔ بعض ماہرین ادب چار مصرعوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ہر مصرعے کو الگ شمار کر کے چار بیتی

بھی کہتے ہیں۔اس کے علاوہ قدیم فارسی شعراء واد باء اسے ترانہ کہتے تھے۔ بعض مقامات پر جفتی اور چار مصرعی بھی کہا گیا ہے۔اس نظم کے لیے رباعی کا لفظ تیسری یا چوتھی ہجری میں رائج ہوا۔اگر رباعی کے چاروں مصرعے ہم قافیہ و ہم ردیف ہوں تو اسے غیر خصی کہتے تھے اور اگر تیسرے مصرعے میں قافیہ نہ ہو تو خصی کہتے تھے۔اس کے علاوہ رباعی کے ہر مصرعہ کے ساتھ ایک ایک فقرہ رباعی کے وزن کا ملحق کر دیں تو اسے رباعی مستزاد کہتے ہیں۔رباعی کی غیر خصی قسم قدیم ہے اور اب یہ متروک ہو چکی ہے تاہم خصی رباعی کی مشہور قسم ہے جو آج کے دور میں رائج ہے۔

ایک اور اہم بات یہ ہے کہ قطعہ اردو ادب کی شعری اصناف میں سے ایک صنف ہے جو اکثر دو اشعار پر مشتمل ہوتی ہے۔ تاہم قطعہ میں اشعار کی تعداد کی پابندی نہیں ہے لیکن عام طور پر دو اشعار کے قطعات لکھے جاتے ہیں جس کی وجہ سے رباعی اور قطعہ میں فرق کرنا دشوار ہو گیا ہے۔ایک عام قاری رباعی اور قطعہ کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ لیکن رباعی اور قطعہ میں واضح فرق ہے۔ پہلا یہ کہ رباعی کے بہت سے نام ہیں تاہم قطعہ کا کوئی دوسرا نام نہیں ہے۔ دوسرا یہ کہ رباعی ایک خاص بحر میں لکھی جاتی ہے جب کہ قطعہ کے لیے مخصوص بحر لازمی نہیں۔ تیسرا یہ کہ رباعی چار مصرعوں یعنی دو اشعار پر مشتمل ہوتی ہے جب کہ قطعہ میں کم سے کم دو اشعار اور زیادہ سے زیادہ کی کوئی پابندی نہیں ہے۔رباعی کی ایک خاص ہیئت ہوتی ہے پہلے دو اور چوتھا مصرعہ ہم قافیہ ہوتا ہے۔تاہم قطعہ کے لیے یہ بہت لازمی نہیں ہے۔ قطعہ رباعی کی بحر اور وزن پر بھی لکھا جا سکتا ہے۔جب کہ رباعی کی بحر اور وزن مخصوص ہے۔

اگر رباعی نگاری کے سرخیل کی بات کی جائے تو سید سلیمان ندوی نے اپنی تالیف ''خیام'' میں بایزید بسطامی کو پہلا رباعی گو شاعر رودکی کو دوسرا اور ابو شکور بلخی کو تیسرا رباعی گو شاعر قرار دیا ہے۔ حافظ محمود شیرانی صاحب ''آفرین نامہ'' 256ھ شکور بلخی کو پہلا رباعی گو شاعر قرار دیتے ہیں۔ جس کا تذکرہ عوفی کی کتاب ''لباب الالباب'' میں بھی ہے۔ بلخی سامانی عہد کا شاعر ہے جس سے منسوب یہ رباعی ہے:

ای گشتہ من از غم مروانِ تو پست
شد تامت من ز دردِ ہجراں تو شت
ای شستہ من از قریہ دستان تو دست
خود ہیچ کسی ب سیرت و شان تو است (6)

رودکی بلخی کا ہم عصر تھا۔ ''المعجم'' اور ''معیار البلاغت'' کے مصنّفین کے نزدیک رودکی پہلا رباعی گو شاعر ہے۔ اردو محققین کی تحقیق کے مطابق رودکی کے دیوان میں صرف چھے رباعیاں ملتی ہیں لیکن یہ سب رعبائیاں مشکوک ہیں اور الحاقی بھی۔ صنف رباعی مشکل صنف ہے۔ رباعی کے آغاز سے لے کر تقریباً ایک ہزار سال تک تین سے چار بڑے شاعر پیدا ہوئے جن میں عمر خیام، ابو سعید ابوالخیر، عطارؔ اور سرمدؔ کے نام شامل ہیں۔ بعد کے شعرا میں سعد سلیمان لاہوری، امیر خسرو دہلوی، بو علی قلندر کے نام شامل ہیں۔ عمر خیامؔ ہی ایسے شاعر ہیں جن کی رباعیاں دنیا کی ہر مشہور زبان میں ترجمہ ہوئے ہیں۔اردو میں رباعیات نگاری کا مطالعہ کیا جائے تو دیگر اصناف شاعری کی طرح اس صنف میں بھی قلی قطب شاہ صاحب

دیوانِ شاعر متوفی 1030ھ کا نام سر فہرست ہے جس کے دیوان میں انتالیس رباعیاں شامل ہیں۔ قلی قطب شاہ کی زیادہ تر رباعیاں عشقیہ موضوعات پر مشتمل ہیں۔ قطب شاہ کی ایک رباعی ملاحظہ کریں:

تجھ حسن سے تازہ ہے سدا حسن و جمال
تجھ یار کی بستی عشق کوں چال
تو ایک سے تجھ سا نہیں دوجا کوئی
کیوں باوے جگت صفحہ میں کوئی تیری مثال(7)

قلی قطب شاہ کے بعد اردو رباعی گو کا دوسرا نام ملا وجہی ہے ملا وجہی کی صرف دو رباعیات ملتی ہیں ملا وجہی قطب شاہ شاہی دور کے ملک الشعرا تھے۔ انہوں نے اپنی مشہور داستان ''سب رس'' قلی قطب شاہ کے انتقال کے پچیس سال بعد لکھی تھی۔ اس دوران رباعی بھی لکھی ہے۔ یعنی اس بیچ کوئی رباعی گو شاعر سامنے نہیں آتا ہے۔ اس کے بعد بھی شعرا اردو کے ہاں رباعی گو شعرا ضرور ملتے ہیں تاہم رباعی بہت کم ہی ملتی ہیں جیسے قدیم دکنی رباعی گو شاعر کی پندرہ رباعیاں ولی دکنی کے ہاں چھے رباعیاں خواجہ میر درد کے ہاں 32 رباعیاں اردو کی اور فارسی رباعیات کی تعداد چار سو سے زیادہ ہے۔ اردو رباعی گو شعرا کی رباعیات نگاری کے حوالے سے سید تقی عابدی لکھتے ہیں:

> ''ارض دکن کے قدیم رباعی گو شعرا میں سراج اورنگ آبادی کے کلیات میں پندرہ رباعیات ملتی ہیں جن میں 9 اردو اور 6 فارسی میں ہیں۔ سراجؔ کے ہم عصر ولی دکنی جو شاعری کے باوا آدم کے نام سے مشہور ہوئے، 96 رباعیوں کے خالق ہیں۔ خواجہ میر درد متوفی 1199 ہجری نے اگرچہ اردو میں صرف 32 رباعیات لکھیں لیکن ان کی فارسی رباعیات کی تعداد چار سو سے زیادہ ہے۔(8)

بعد کے شعرا میں میر تقی میر، میرزا محمد رفیع سودا، میر حسن، میر سوز عبدالحئ تاباں کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان میں ہر شاعر نے رباعی کا قلیل سرمایہ اردو ادب میں شامل کیا ہے۔ خواجہ میر درد کی رباعی زیادہ تر مذہب، تصوف، اخلاقیات اور فلسفیانہ موضوعات پر مشتمل ہیں۔ ایک رباعی ملاحظہ کریں:

اے دردؔ اگرچہ مئے میں ہے جوش و خروش
رہتے ہیں ولے اہلِ تامل خاموش
موجوں کو شراب کی وہ پی جاتے ہیں
گرداب کے مانند جو ہیں دریا نوش(9)

میر تقی میر متوفی 1810ء کی رباعیوں کی تعداد بھی سو سے زیادہ نہیں ان کی زیادہ تر رباعیاں عشقیہ مضامین پر مشتمل ہیں۔ مرزا محمد رفیع سودا متوفی 1195ھ کے بارے میں مشہور ہے کہ انہوں نے ایک سو سے زائد رباعیاں تخلیق کی ہیں۔ تاہم

ان کے دیوان میں 80 رباعیاں درج ہیں موضوعات میں مذہب، عشق، تصوف اور ہجو شامل ہے۔ میر تقی میر اور ان کے ہم عصر شعرا کے بعد آنے والے شعرا ذوقؔ، داغ، شاد، رشیدؔ، جرات، مومن، غالب، ناسخ سے لے کر میر انیس، دبیر اور جوش تک رباعیاں لکھنے والے بہت کم رباعیاں لکھتے رہے کیوں کہ اس صنف کو کٹر اور مشکل صنف کہا گیا ہے۔ تاہم اردو ادب میں سب سے زیادہ رباعیات لکھنے والوں میں شاہ غمگیں متوفی 1268 ہجری کا نام سر فہرت ہے۔ ان کا مجموعہ رباعیات ''مکاشفات الاسرار'' میں اٹھارہ سو رباعیات شامل ہیں۔ غزلوں کے دیوان میں ایک سو رباعیات شامل ہیں۔ یوں شاہ غمگیں نے 1900 رباعیاں لکھی ہیں جو مختلف موضوعات فلسفہ، عشق، مذہب اور اخلاقیات پر مشتمل ہیں۔

دورِ قدیم کی طرح دور جدید میں بھی رباعیاں لکھنے کا سلسلہ جاری و ساری ہے تاہم قدیم روایت برقرار ہے۔ شعرا چند رباعیاں لکھ کر خود کو رباعی نگار شعرا میں شامل تو کر لیتے ہیں لیکن رباعیات نگاری سے پرہیز کرنا بہتر سمجھتے ہیں۔ حسن عسکری کاظمی کا شمار عہد حاضر کے بڑی رباعی نگار شعرا میں ہوتا ہے۔ حسن عسکری کاظمی عصر حاضر کے مایہ ناز شاعر، ادیب، محقق، نقاد، اور ماہر تعلیم ہیں، انھوں نے اپنے علم و عمل اور زبان و قلم سے اُردو ادب کو بے حد متاثر کیا۔ ان کا شمار اُردو ادب کے نامور شعراء و ادباء میں ہوتا ہے۔ 1931ء کو متحدہ ہندوستان انبالہ میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم انبالہ سے حاصل کی قیام پاکستان کے بعد لاہور آئے تاہم ملازمت کے سلسلے میں طویل عرصہ گجرات سکونت اختیار کی اور پھر لاہور منتقل ہوئے جہاں اب بھی قیام پذیر ہیں۔ انہوں نے شعر و شاعری اور نثر نگاری سے اُردو ادب میں اپنا نام و مقام پیدا کیا، ان کی علمی و ادبی خدمات نصف صدی پر مشتمل ہیں۔ جو معاشرے میں مثبت افکار و نظریات کے حوالے سے اہم پیشرفت ہے۔ کیوں کہ انھوں نے ایک دینی اور علمی خاندان میں آنکھ کھولی۔ بہترین تعلیم و تربیت پائی جس کے اثرات ان کی اب تک کی زندگی میں واضح نظر آرہے ہیں۔ اب تک ان کی رعبایات کے دو مجموعے ''میزانِ فکر'' اور ''میزان سخن'' چھپ کر منظر عام پر آچکے ہیں۔ ''میزانِ فکر'' میں رباعیوں کی تعداد 290 اور مجموعہ ''میزانِ سخن'' میں رباعیوں کی تعداد 304 ہے۔ یوں ان کی اب تک رباعیوں کی کل تعداد 594 ہے۔ ان کی رباعی کے موضوعات میں حمدیہ رباعیاں، نعتیہ رباعیاں، منقبتی رباعیاں، رثائی رباعیاں، اخلاقی رباعیاں اور سیاسی و معاشرتی رباعیات شامل ہیں۔

یوں تو حسن عسکری کاظمی نے ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی کی ہیں، تاہم رباعیات نگاری انھوں نے بہت دیر بعد شروع کی، کیوں کہ رباعی ایک مشکل صنف ہے۔ پختہ شاعر جس کو اوزان کا علم ہو بحر ہزج کا علم ہو وہ رباعیات نگاری کر سکتا ہے۔ اکثر شعراء طویل شعری ریاضت کے بعد اس کمال کو پہنچتے ہیں، اس لئے ان کا شمار بھی ان شعراء میں ہوتا ہے جنہیں اپنی شاعری پر پختہ یقین ہونے کے بعد رباعی نگاری کی طرف متوجہ ہوئے۔ حسن عسکری کاظمی رباعی کی صنف کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''حقیقت یہ ہے کہ رباعی کہنا ہر شاعر کے بس کی بات نہیں اردو کے سب سے بڑے نظم گو شاعر جوش ملیح آبادی نے اعتراف کیا ہے کہ ''رباعی کم بخت ایسی چیز ہے جو چالیس برس کی مشاق کے بعد کہیں جا کر قابو آتی ہے۔'' یہی

وجہ ہے کہ عام طور پر شاعر کی زندگی میں رباعی نویسی کا دور آخر ہوتا ہے۔
(10)

حسن عسکری کاظمی جوش ملیح آبادی کی رائے سے بالکل اتفاق کرتے ہیں اور خود بھی دورِ آخر میں رباعی نویسی کا آغاز کرتے ہیں۔ وہ اپنی رباعیات نگاری کے آغاز اور اس صنف کی مشکلات کے بارے میں لکھتے ہیں:

''میں نے بہت پہلے اپنے دوست عمر فیضی کی رباعی ان کی زبانی سنی تھی تو مجھے بھی رباعی کہنے کا خیال آیا پہلے عمر فیضی کی رباعی سنیے:

خورشید صف بُرجِ شرف میں ہوگا
فیضی کہیں دربار نجف میں ہوگا
ملاؑ کے غلاموں میں کرو اس کو تلاش
مغرور بہت ہے اسی صف میں ہوگا

اسی زمانے میں مجھے رباعی کہنے کی خاطر پہلے رباعیاتِ انیس کا مطالعہ کرنا تھا آخر میں نے چار پانچ رباعیاں کہہ کر عمر فیضی کو دکھائیں انہوں نے ایک دو جگہ نوک پلک درست کی مگر میں نے اعتراف کیا کہ رباعی کہنا آسان نہیں۔''(11)

رباعی کی صنف کو مشکل کہتے کہتے حسن عسکری کاظمی نے اردو ادب کو رباعیات کے گراں قدر سرمائے سے نوازا ہے۔ وہ رباعیات کا موضوع برتنے کے حوالے سے میر انیس کی پیروی کرتے ہیں۔ تاہم اندازِ بیاں مختلف ہے۔ حسن عسکری کاظمی کی رعبایات کے حوالے سے نامور ادیب و شاعر ڈاکٹر خورشید رضوی لکھتے ہیں:

''جناب حسن عسکری کاظمی کا قلم رنگا رنگ پھول کھلاتا چلا آیا ہے۔ انہوں نے نظم و نثر میں متفرق موضوعات و اصناف کو اپنایا ہے۔ رباعیات کی صنفِ دستور، البتہ اب تک ان کی توجہ سے محروم تھی۔ سو اب دیر آید درست آید کے مصداق انہوں نے بڑی تعداد میں رباعیات کہہ ڈالی ہیں۔ جن کے کچھ نمونے میری نظر سے گزرے ہیں۔ موضوعات کا وہی تنوع، جو ان کی پہچان ہے، رباعیات میں بھی کارفرما ہے۔ حمد، نعت، سلام، منقبت، رثا، اخلاقیات اور معاشرتی و سیاسی احوال سب پر قلم اٹھایا گیا ہے۔ امید ہے ان کی اس کاوش کو بھی ویسی ہی پذیرائی ملے گی جیسی ان کی دیگر تصانیف کو حاصل رہی ہے۔''(12)

حسن عسکری کاظمی کا مذہب سے گہرا لگاؤ ہے یہی وجہ ہے کہ وہ شاعری کی ہر صنف میں اپنے مذہب سے لگاؤ کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ رباعیات نگاری کا آغاز حمدیہ شاعری سے کرتے ہیں۔ رباعیات میں اللہ کی صفات کو مد نظر رکھتے ہوئے اللہ کے وجود کا تذکرہ کرتے ہیں کہ اللہ ہمیشہ سے ہے، ہمیشہ رہے گا اور اللہ کا وجود کائنات کے چپے چپے میں ہے، کوئی بھی جگہ ان کے وجود سے خالی نہیں ہے۔ ان کے نزدیک وہ لوگ کم عقل ہیں جو اللہ کے وجود پر سوال اٹھاتے ہیں:

موجود ازل سے ہے یہاں تیرا وجود
کم عقل یہ کہتے ہیں کہ کہاں تیرا وجود
تو دل میں ہے یا عرش بریں پر خالق
وہ کون سی جا ہے نہ جہاں تیرا وجود (13)

تخلیقِ کائنات کے حوالے سے لکھتے ہیں:

پھولوں کو مہکنے کی وہ خُو دیتا ہے
غنچوں کو عجیب رنگ و بو دیتا ہے
کھول کر آنکھ جو ہم صحن چمن میں آئے
منظر یہ جمیل روبرو دیتا ہے (14)

حسن عسکری کاظمی نے حمدیہ رباعیوں کے بعد نعتیہ رباعیوں میں رسولِ خداؐ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں اور ان کی صفات کو موضوعِ سخن بناتے ہیں۔ جن میں رسول خداؐ کی، آقا، مولا، افضل و برتر، شافعِ محشر، محبوب خداؐ، ہادیِ برحق، وجہِ تخلیق کائنات شامل ہیں۔ یہ وہ صفات ہیں جن کی وجہ سے ہر انسان کا حضور ﷺ کے آگے سر تسلیم خم ہے۔ دنیا میں بہت سی ہستیاں آئیں اور چلی بھی گئیں۔ مگر آپؐ جیسا شہنشاہ دنیا میں کوئی نہیں آیا۔ نہ ہی آپؐ کی بارگاہ جیسی کوئی بارگاہ ہے جہاں سے کوئی خالی ہاتھ نہیں جاتا، رسول پاکؐ کی ذات گرامی ایسی ہے کہ آپؐ کو اللہ نے عرش پر بلایا۔ اتنی شان و شوکت و عزت کسی کو بھی نصیب نہیں ہوئی۔ جیسی جاہ و حشم رسول پاکؐ کو نصیب ہے۔ ایک نعتیہ رباعی ملاحظہ کریں۔

خالق کا یہ احسان بہت ہے ہم پر
محبوبؐ کو بھیجا ہے بنا کر رہبر
دنیا میں کوئی نہ دیکھا کوئی ایسا بندہ
کہلایا جو رحمت دو جہاں کا سرورؐ (15)

حسن عسکری کاظمی کی رباعیات کا ایک اہم موضوع منقبتی رباعیاں ہیں وہ بہت بڑے مداح اہلِ بیتؑ ہیں۔ انہوں نے آل رسولؐ کے ساتھ صحابہ کرام اور اولیاء کرام پر بہت سے مناقب لکھیں ہیں۔ تاہم سب سے زیادہ مناقب حضرت علیؑ کی ذات

پر تحریر ہیں۔ان کی محبوب ترین ہستی مولا علیؑ کی ذات ہے۔اس کے علاوہ انہوں نے اپنی رباعیات میں حضرت امام حسینؑ کی ذات حضرت ابوذر غفاریؓ کی ذات حضرت میثمِ تمارؓ کی ذات پر رباعیاں لکھی ہیں۔ حضرت علیؓ کی مدح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ کام ہوا کب ہے کسی سے پہلے
کعبہ تھا صنم خانہ علیؓ سے پہلے
بت کس نے گرائے یہ بتائے کوئی
جرأت بھی کسے تھی یہ ولی سے پہلے (16)

حسن عسکری کاظمی مودت اہلِ بیت کو یوں بیان کرتے ہیں:

رکھی نہ کسی اور کی الفت دل میں
ہے آلِ محمدؐ کی محبت دل میں
لکھی ہے مقدر میں غلامی ان کی!
صد شکر ہے ان کی مودت دل میں (17)

حسن عسکری کاظمی رباعیوں میں رثا بھی ایک اہم موضوع ہے ان کے نزدیک عزاداری، امام حسینؑ عظیم عبادات میں سے ایک عبادت ہے اور یہ عبادت جنت کی ضمانت بھی ہے۔اس لیے انہوں نے اس موضوع کو اپنی شاعری میں خوب باندھا ہے۔ وہ اپنی رثائی شاعری میں کربلا کے تمام کرداروں کا تذکرہ کرتے ہیں، چاہے وہ چھے ماہ کا حضرت علی اصغرؓ ہو یا اسی سال کے بزرگ صحابی رسولؐ حضرت حبیب ابن مظاہر جنہوں نے معرفتِ خدا میں اپنی جانیں قربان کیں۔

مظلوم کے ماتم کا اثر تازہ ہے
چہرے پر اسی غم کا حسنؔ غازہ ہے
ہوتی ہے جہاں مجلسِ شبیرؑ بپا
وہ گھر نہیں فردوس کا دروازہ ہے (18)

حسن عسکری کاظمی کی رباعیوں کا ایک اہم پہلو اخلاقی تربیت ہے۔ وہ ایک مصلح قوم بھی ہیں۔ان کی شاعر میں گہرا رجحان اصلاح کا ہے آج دنیا کا ماحول عجیب ہے۔ کوئی زر کی ہوس میں مبتلا ہے، کوئی بکھری زلفوں کا اسیر ہے تو کوئی اقتدار کے نشے میں مست ہے وہ ان تمام چیزوں کو قفس سے تشبیہ دی دیتے ہیں کیوں کہ اللہ نے انسان کو آزاد پیدا کیا لیکن یہ انسان ہے کہ جو غیر اہم چیزوں کا اسیر ہو کر قیدی بنا ہوا ہے۔ان کے نزدیک ایسے لوگ بہت نادان ہیں جو اس قید سے باہر نہیں آرہے، کیوں کہ موت ہمیشہ سر پر منڈلا رہی ہے جس پر ہمارا بس نہیں چلتا۔اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ خود کو آزاد رکھے۔

تو کس لیے دنیا کی ہوس میں آیا
آزاد پرندہ تھا قفس میں آیا

نادان ہی کہوں گا کہ اجل سر پر
کیا سوچ کے بے کے بس میں آیا(19)

حسن عسکری کاظمی کی رباعیوں کا ایک خاص موضوع اپنی ذات ہے جن میں انہوں نے اپنی زندگی سے منسوب تجربات و مشاہدات بیان کیے ہیں جن میں قارئین کے لیے ایک اہم سبق ہے۔ دراصل ذاتی رباعیاں ان کی منظوم آپ بیتی ہے۔ وہ اپنے بارے میں کہتے ہیں کہ میں نے کبھی خود پر بیکار روگ لگنے نہیں دیا۔ کیوں کہ میرے لیے مقصدِ اعلیٰ عزیز تھا اور یہ درس ہے سب کے لیے کہ زندگی میں مقصد اہم ہے نہ کہ روگ:

نادان اگر دل تھا سنبھالا ہم نے
بے وجہ کوئی روگ نہ پالا ہم نے
محتاط رہے مقصد اعلیٰ تھا عزیز
سانچے میں کسی غم کے نہ ڈھالا ہم نے(20)

رباعیاتِ حسن عسکری کاظمی کا اہم موضوع سیاسی اور معاشرتی رباعیاں ہے وہ حالاتِ حاضرہ پر گہری نظر رکھتے ہیں اور اپنی رباعیوں میں معاشرتی برائیوں کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں۔ وہ اس ملک جس کا حصول خونِ جگر دے کر ممکن ہوا آج ابتری و زوال کا شکار ہے کیوں کہ جن کو رہبر یا حکمران سمجھا وہ تو رہزن اور لٹیرے ہیں، بعض لوگوں کو آج بھی یہ غلط فہمی ہے کہ وہ ملک کے ہمدرد ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے نزدیک یہ المیہ بھی اہم ہے کہ یہاں لوگ آوارہ پھرتے رہتے ہیں، قانون کی بالادستی نہیں ہے جس کی لاٹھی اس کی بھینس والا نظام رائج ہے۔ موروثی سیاست رائج ہے پر سخت تنقید کرتے ہیں۔ ہر سیاست دان اپنی جگہ اپنیاولاد کو لے کر آتا ہیں۔ ان کی تعریفیں ہوتی ہیں ان کے گن گائے جاتے ہیں جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے اندر اولادِ سیاسی ہونے کے علاوہ کوئی خوبی نہیں ہے۔ پر افسوس کا مقام یہ ہے کہ بنا کوئی کام کیے بنا کسی خوبی کے ان کی اربوں کھربوں کی دولت بینکوں میں موجود ہے۔

یارو! یہ عجب ہم نے زمانہ دیکھا
اولادِ سیاسی کا ترانہ دیکھا
کچھ کام کیے اور نہ کسی کام کے ہیں
بینکوں میں بھرا ان کا خزانہ دیکھا(21)

ہمارا ملک اسلامی ہے لیکن فرقہ پرستی کی لعنت کا شکار ہے یہاں کا ہر ملا اپنے فرقے کی تعریف کرتا ہے اور دوسروں پر بے جا تنقید جس کی وجہ ملک انتشار میں ہے اس لئے حسن عسکری کاظمی ملا سے سخت نالاں ہیں، ان کی اس نامناسب عمل کو مرغوں کی لڑائی سے تشبیہ دیتے ہیں:

نامناسب تھی جو لفظوں میں پڑھائی دیکھی
یا فقط کرتے ہوئے اپنی بڑائی دیکھی

مولوی، ملا، یا واعظ کا وتیرہ دیکھا
ہو بہو ایسے ہی مرغوں کی لڑائی دیکھی (22)

حسن عسکری کاظمی کے اسلوب میں سادگی، بے تکلفی، برجستگی اور روانی و تسلسل ہے۔ مشکل الفاظ و تراکیب کا استعمال نہیں ہے تاہم روزمرہ اور محاورے برتے گئے ہیں۔ رباعی میں چار مصرعوں پر ایک مضمون باندھنا اتنا مشکل نہیں لیکن اس مضمون کو بحر ہزج میں پیش کرنا مشکل مرحلہ ہے۔ حسن عسکری کاظمی کے اندازِ بیان سے واضح ہوتا ہے کہ ان کو بحرِ ہزج برتنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی ہے۔ وہ ایک بڑے شاعر ہیں ان کی طویل ریاضت کا ثمر ہے کہ شعری اصناف کی مشکلات ان کے لیے معنی نہیں رکھتی۔ انھوں نے تشبیہات، استعارات، تلمیحات اور صنائع بدائع سے بھرپور استفادہ کیا ہے اور اہم بات یہ کہ ان کی تشبیہات و استعارات موقع و محل کے حساب سے آتے ہیں۔ کبھی شعر پڑھ کر محسوس نہیں ہوتا کہ تشبیہ و استعارہ زبردستی برتا گیا ہے۔ بلکہ پڑھ کر شاعر کی اونچی علمیت کا واضح اندازہ ہوتا ہے اُن کی رعبایات میں دیگر شاعری کے نسبت کم تراکیب برتے گئے ہیں۔ تشبیہ اور استعارہ کا استعمال بھی دیگر شاعری کے نسبت کم ہے تاہم روزمرہ اور محاورے کی زبان کا استعمال بہت زیادہ ہے۔ حسن عسکری کاظمی نے جو تراکیب استعمال کیے ہیں۔ ان میں بعض قدیم ترکیبات اور بعض خود حسن عسکری کاظمی کی اختراع ہے، چند مثالیں ملاحظہ فرمایئے: دہلیزِ سخاوت، شہر نگاراں، چراغِ الفت، منزلِ مقصود، سفرِ رحمت، بارِ گراں، پرسشِ احوال، سیرِ چمن، میزانِ چمن، وصفِ جلی، بہ حشم نم، شافعِ محشر، شہ لولاکِ، سرافلاک، شہِ کرب و بلا، اعزازِ شفاعت، رختِ سفر، فرشِ عزا، رفعت گفتار، اعزازِ گدائی، رگِ جاں، ملائے کل وغیرہ شامل ہیں۔

حوالہ جات

1۔ رفیع الدین ہاشمی، اصنافِ ادب، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، 2003ء، ص:62

2۔ محمود شیرانی، حافظ، مقالاتِ حافظ محمود شیرانی، مرتبہ: مظہر محمود، لاہور: مجلس ترقی ادب، 1985 ص:۲۰۴

3۔ ایضاً، ص: 205۔206

4۔ ایضاً، ص:206

5۔ تقی عابدی، سید، دیوانِ انیس، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، 2014ء، ص: 78

6۔ ایضاً، ص:۸۲

7۔ ایضاً، ص:۸۵

8۔ ایضاً، ص:۸۶

9۔ ایضاً، ص:۸۶

10۔ حسن عسکری کاظمی، میزانِ فکر، لاہور: رضا سنز پرنٹرز، 2020ء، ص:۱۱

11۔ ایضاً، ص:۱۲۔۱۳

12۔ ایضاً، ص:(فلیپ)

13۔ حسن عسکری کاظمی، میزانِ سخن، لاہور: رضا سنز پرنٹرز، 2021ء، ص: ۱۶

14۔ حسن عسکری کاظمی، میزانِ فکر، ص:۱۷

15۔ حسن عسکری کاظمی، میزانِ سخن، ص: ۲۳

16۔ حسن عسکری کاظمی، میزانِ فکر، ص:۲۳

17۔ حسن عسکری کاظمی، میزانِ سخن، ص: ۳۸

18۔ حسن عسکری کاظمی، میزانِ فکر، ص:۴۱

19۔ ایضاً، ص:۵۱

20۔ ایضاً، ص۶۹

21۔ حسن عسکری کاظمی، میزانِ سخن، ص: ۴۸

22۔ حسن عسکری کاظمی، میزانِ فکر، ص:۴۸